امروٹ شریف سندھ میں علوم ولی اللّٰہی کی تعلیم

مولانا ابوبکر شبلی[1]

تعلیمات شاہ ولی اللہ کے عظیم ترجمان حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو سندھ سے جو جذباتی وابستگی تھی، وہ آپ کی تصانیف سے پوری طرح عیاں ہیں۔ یہ آپ ہی کی ہستی تھی جن کی مساعی جمیلہ سے سندھ کے علماء اور مشائخ براہ راست شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے متعارف ہوئے۔ اور بالآخر یہ سندھ کو ہی شرف حاصل ہوا ہے کہ اب "شاہ ولی اللہ اکیڈمی" کی وجہ سے فلسفۂ ولی اللہی کی مرکزیت اسے حاصل ہوگی۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے سندھ میں ابتدائی کارنامے اور ان کی علمی و مذہبی کوششیں آج تک منظر عام پر نہیں آسکیں۔

"سوانح سیدنا تاج محمود امروٹی" کی تدوین اور ترتیب کے دوران جو معلومات مجھے حاصل ہوئیں، وہ قارئین "الرحیم" کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ شبلی

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے سندھ میں آکر حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈوی رحمۃ اللہ علیہ (مرشد حضرت مولانا تاج محمود صاحب امروٹیؒ) کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور ان ہی کی ہدایت پر مختلف مقامی علماء سے اکتساب علم کرنے کے بعد آپ علوم اسلامیہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے دیوبند

---

[1] استاد ادبیات عربی - تعمیر نو قومی درس گاہ - کوئٹہ

تشریف لے گئے۔ مولانا سندھیؒ کو دیوبند میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا شرف ملا۔ اور بالآخر آپ نے آپ کے مقربین اور معتمد علیہ لوگوں میں ایک ممتاز حیثیت حاصل کرلی۔ فراغت تحصیل علوم کے بعد جب حضرت مولانا سندھی نے وطن کی طرف مراجعت کی تو سیدھے بھرچونڈی شریف آئے۔ آپ کے آنے سے دس دن قبل سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈویؒ اس دنیا سے رحلت فرما گئے تھے۔ آپ بھرچونڈی میں مختصر قیام کرنے کے بعد سیدھے امروٹ شریف تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کے روحانی والد ومرشد حضرت بھرچونڈویؒ کے خلیفۂ اعظم قطب الاقطاب سیدنا تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فیوضات روحانی سے ہر خاص و عام کو فیضیاب فرما رہے تھے۔

مولانا عبیداللہ صاحب سندھی حضرت مولانا سیدنا تاج محمود امروٹیؒ سے بھرچونڈی کے دوران قیام ہی میں متعارف ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ کو امروٹ میں آکر کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی چنانچہ اپنے روحانی والد کی وفات کے بعد آپ نے حضرت سیدنا امروٹی کو ہی اپنا روحانی پیشوا تسلیم کیا، اور ان ہی کے ساتھ مستقل طور پر امروٹ میں رہنے کا عزم مصمم کرلیا۔

اس ضمن میں حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذاتی ڈائری میں لکھتے ہیں :-

" میں شوال (۱۳۰۸ھ) میں سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈویؒ کے دوسرے خلیفہ حضرت مولانا ابوالحسن تاج محمود امروٹیؒ کی طرف امروٹ ضلع سکھر کی طرف چلا گیا۔ آپ نے اپنے مرشد کا وعدہ پورا کیا۔ آپ میرے لئے باپ کی طرح تھے آپ نے میرا نکاح سکھر میں اسلامیہ سکول کے معلم مولوی محمد عظیم خاں یوسف زئی کی بیٹی سے فرمایا۔ میری والدہ کو بھی بلوایا۔ جو آخر تک میرے ساتھ رہیں آپ نے میرے مطالعہ کے لئے ایک بہت بڑا کتب خانہ جمع کیا میں ان کے سایہ عاطفت میں ۱۳۱۵ھ تک نہایت اطمینان سے مطالعہ میں مصروف رہا۔"

مذکورہ بالا اقتباس سے حسب ذیل باتیں واضح طور پر عیاں ہوتی ہیں۔

۱- حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ دیوبند سے مراجعت کے بعد سیدھے امروٹ شریف آئے اور اسی کو اپنا مسکن منتخب کیا۔

۲۔ حضرت مولانا سیدنا تاج محمود امروٹیؒ نے آپ کے قیام کے لئے تمام وسائل مہیا کئے اور حضرت آپ پر پدرانہ شفقت فرماتے رہے۔

۳۔ حضرت مولانا سیدنا تاج محمود صاحب امروٹی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی شادی کرائی اور آپ کے مزید اطمینان قلب کے لئے آپ کی والدہ کو آپ کے پاس بلوایا۔

۴۔ حضرت سیدنا امروٹی نے حضرت مولانا سندھیؒ کے علم کے اضافہ کے لئے ایک عظیم کتب خانہ جمع کیا۔ (جواب تک خستہ حالت میں موجود ہے) یہی وجوہات تھیں جن کی بنا پر مولانا عبیداللہ صاحب سندھی نے ابتدا میں امروٹ شریف کو اپنا مستقل مسکن بنا کر اپنی علمی اور سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا۔

جس وقت حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی نے امروٹ کو اپنا مستقل مسکن بنا کر اپنی علمی اور سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا، اس وقت صوبہ سندھ زندگی کے ہر میدان میں بہت پیچھے تھا۔ علمی لحاظ سے پورے صوبہ میں کوئی بھی مرکزی دینی درس گاہ نہیں تھی بعض قصبات میں چھوٹے چھوٹے دینی مدارس تھے جن کا آپس میں کوئی ربط نہیں تھا ان کا وجود کسی مدرس یا مولوی کی ذاتی جدوجہد کا مرہون منت ہوتا تھا۔ جونہی وہ شخصیت اس کام سے سبکدوش ہوتی تو مدرسہ کا تمام نظام ختم ہو جاتا۔ ان مدارس کا نصاب صدیوں کا گھسا گھسایا تھا جس میں کوئی بھی تبدیلی ممکن نہیں تھی۔ اس لئے صوبہ سندھ کے دینی مدارس کے طلبہ میں کسی قسم کی ذہنی بیداری لانا تقریباً ناممکن تھی۔

سیاسی لحاظ سے سندھ تقریباً عضو معطل تھا۔ کراچی کے علاوہ پورے صوبہ میں کہیں بھی سیاسی شعور نہیں تھا۔ سندھ اپنے مخصوص جغرافیائی اور لسانی حالات کی وجہ سے برطانوی ہند کے دوسرے تمام صوبہ جات سے الگ تھلگ تھا۔ علمی اور ادبی لحاظ سے سندھ صفر تھا۔ پریس اور نشر و اشاعت کے تمام ذرائع اور وسائل پر ہندو دانشوروں کا قبضہ تھا۔ مسلمانوں کے تمام مذہبی کتابیں حتیٰ کہ قرآن مجید بھی ہندو پریسوں میں ہندوؤں کے سرپرستی میں شائع ہوتا تھا۔

ان حالات میں حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ نے امروٹ شریف میں حضرت مولانا سیدنا تاج محمود امروٹی رحمتہ اللہ علیہ کے تعاون اور سرپرستی میں اپنے پروگرام کا آغاز کیا۔ آپ کے پروگرام کے تین

بڑے مراحل یہ تھے۔ ابتداء میں امروٹ شریف میں ایک عظیم دینی درس گاہ قائم کی جائے جو قیانوسی طرزِ عمل سے ہٹ کر جدید طریقہ پر تعلیمی کام کرے۔ اس عظیم دینی درس گاہ کے نصاب میں شاہ ولی اللہ کی تصانیف کو بنیادی اہمیت حاصل ہو تاکہ ان کے فلسفہ کے ذریعہ پہلے سندھ میں، بعد میں تمام ہندوستان میں اسلام کا فکری اور عملی انقلاب لایا جاسکے۔ مسلمانوں میں دینی، سیاسی، اور علمی انقلاب لانے کے لئے ایک "دارالاشاعت الاسلامیہ" کھولا جائے۔ جس کا اپنا پریس ہو جس کے ذریعہ مسلمانوں میں علمی اور سیاسی شعور بڑھانے کے لئے مختلف موضوعات پر کتابیں شائع کی جائیں اور "دارالاشاعت" کی طرف سے سندھی زبان میں ایک مستقل ماہنامہ بھی شائع کیا جائے۔ چنانچہ انہی خطوط پر حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی نے امروٹ شریف میں اپنا کام شروع کیا۔

سب سے پہلے آپ نے ایک دینی درس گاہ قائم کی اس کی چند ایک قابلِ ذکر خصوصیات یہ تھیں کہ اس درس گاہ کو دیوبند کے طریقہ پر جاری کیا گیا۔ اور اس کا روحانی تعلق دیوبند سے قائم رکھا گیا اس لحاظ سے سندھ کو پہلی مرتبہ دیوبند سے علمی اور روحانی رابطہ پیدا ہوا۔ اس درس گاہ کے نصاب میں حدیث، تفسیر اور شاہ ولی اللہ کی تصانیف کو بھی شامل کیا گیا۔ اس طرح سندھ کے طالب علموں کو پہلی مرتبہ علوم اسلامیہ کی اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملا۔ اس درس گاہ میں فکری جِلا پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ چنانچہ طلبہ میں حریتِ وطن اور احیائے دینِ قیم کی روح پیدا کرنے کی پوری کوشش ہوتی تھی۔ اس درس گاہ کی لائبریری میں مصر استنبول اور ہندوستان سے مشہور اور نادر کتابیں جمع کی گئیں۔ اور اس طرح سندھ کے طلبہ کو ایک جیّد عالم کی نگرانی میں توسیع مطالعہ کا پہلی دفعہ موقع ملا۔

اس درس گاہ میں تقریباً سات سال تک جب تک کہ حضرت مولانا سندھی امروٹ شریف میں رہے۔ اس طرح کام ہوتا رہا۔ اس دوران میں سندھ اور بیرون سندھ کے سینکڑوں علماء نے اس سے استفادہ کیا اور اسی درس گاہ کی وجہ سے سندھ میں حریتِ وطن اور احیائے دینِ قیّم کی جدوجہد کا آغاز ہوا۔

اس درس گاہ کے تلامذہ میں حضرت الحاج مولانا عبدالعزیز صاحب تھریچانوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اکمل حضرت سید تاج محمود صاحب امروٹی اور حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور

جناب مولانا خوشی محمد صاحب لاڑکانوی کے نام قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر دونوں حضرات وفات پا چکے ہیں موخر الذکر حضرت بقید حیات ہیں اور سندھ کے علمی حلقوں میں احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی نے مسلمانوں میں دینی بیداری پیدا کرنے کے لئے پریس کی ضرورت کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔ وہ صوبہ سندھ کے لئے "دار الاشاعت" کا قیام بہت ضروری سمجھتے تھے۔ اس لئے امروٹ شریف میں پریس لگا کر دینی کتابیں چھاپنے کی تجویز آپ کے ذہن میں آئی اور آپ نے حضرت مولانا تاج محمود امروٹی سے مدد چاہی، لیکن اس وقت حضرت امروٹی کی مالی حالت اتنی اچھی نہیں تھی اس لئے آپ اس عظیم کام کے لئے فوری طور آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔ ادھر حضرت مولانا سندھی کو اس پر شدید اصرار تھا۔ آخر کار ذاتی جد و جہد سے حضرت مولانا سندھی نے ایک چھوٹی سی مشین خرید لی اور سندھ کے ایک چھوٹے سے قصبہ میں طباعت و اشاعت کا کام شروع کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس "دار الاشاعت" سے سندھی زبان میں ایک ماہنامہ بھی جاری کیا گیا۔ جو کافی عرصہ تک شائع ہوتا رہا۔

اس "دار الاشاعت" سے ماہنامہ کے علاوہ سندھی زبان میں کئی کتابیں بھی شائع ہوئیں جن میں حضرت مولانا امروٹی کا قرآن مجید کا سندھی ترجمہ "الہام الرحمان فی تفسیر القرآن" خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ ایک دینی درس گاہ شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کی تعلیم اور محمود المطابع کے قیام کی وجہ سے امروٹ شریف نے تھوڑے ہی عرصہ میں سرزمین سندھ میں علمی اور سیاسی لحاظ سے ایک مرکزی حیثیت حاصل کر لی اور سندھ کے علاوہ بیرون سندھ میں بھی اس کی شہرت ہو گئی۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی نے اپنے ذاتی روابط اور تعلقات سے حضرت مولانا امروٹی اور حضرت مولانا شیخ الہند کو باہمی متعارف کرایا۔ اسی تعارف اور تعلق کے بعد حضرت شیخ الہند اپنی زندگی میں دو بار امروٹ شریف تشریف لائے آپ کے تلامذہ میں سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا تھانوی بھی امروٹ شریف آئے تھے۔

امروٹ شریف میں دینی درس گاہ اور محمود المطابع کے قیام اور اس سے شائع ہونے والے رسائل اور کتب کے نتائج بڑے اچھے نکل رہے تھے۔ اور حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی نہایت اطمینان سے اپنی جد و جہد میں مصروف تھے۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ کچھ ایسے اسباب در پیش آئے کہ تعلیم کسال

سے زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا۔ اور مولانا سندھی نے امروٹ شریف چھوڑنے کا فوری فیصلہ کر لیا۔ جن اسباب کی وجہ سے آپ کو امروٹ شریف چھوڑنا پڑا وہ یہ ہیں۔

حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ امروٹ شریف میں بڑی پرسکون متاہل زندگی گذار رہے تھے کہ بعض ناسازگار حالات پیدا ہوگئے۔ قیام امروٹ کے آخری ایام میں آپ کی زوجہ محترمہ مختصر علالت کے بعد اس دارفانی سے رخصت ہوگئیں اور اپنے پیچھے دو ننھی معصوم بچیاں چھوڑ گئیں جن کی پرورش اور پرداخت کا مسئلہ حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کے لئے ایک دردسر بن گیا۔ اس طرح حضرت مولانا سندھی ہر وقت متفکر رہنے لگے۔

اسی دوران میں حضرت مولانا سندھی اور حضرت مولانا امروٹیؒ کے درمیان دینی درس گاہ کے طریق کار میں اختلاف پیدا ہوئے۔ جو آخر میں مولانا سندھی کے امروٹ شریف چھوڑنے پر منتج ہوئے بات دراصل یہ تھی کہ جب امروٹ شریف میں یہ دینی مدرسہ قائم ہوا، اور وہ بتدریج فروغ پانے لگا تو یہ وہ دور تھا جب سلطنت برطانیہ کے زیر سایہ نیا نظام تعلیم روبہ ترقی تھا اور پرانا نظام تعلیم دم توڑ رہا تھا۔ مسلمانوں کی نئی پود کو انگریز اپنی مشینری کے پرزے بنانے کے لئے ملک کے گوشے گوشے میں اسکولوں کا ایک وسیع جال پھیلا رہا تھا۔ جو بچے ان اسکولوں میں تعلیم پاتے، ان کا مستقبل مادی لحاظ سے بڑا اچھا ہو جاتا ان کے مقابلے میں دینی مدارس میں تعلیم پانے والے بچے انگریزی سلطنت کے کارندوں کی نظر میں تو حقیر تھے ہی، لیکن خود مسلمان بھی ان کو ناکارہ اور معاشرہ پر ایک بوجھ سمجھنے لگے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی تھا کہ مسلم معاشرہ کے ذہین اور اونچے خاندانوں کے بچے ان اسکولوں کی طرف کھنچے جا رہے تھے۔ اور دینی مدارس کی طرف اکثر معاشی یا جسمانی لحاظ سے معذور بچے رخ کرتے تھے۔ مولانا سندھی کا خیال تھا کہ دینی مدارس کے طلبہ کا معیار زندگی اتنا اونچا ہو کہ اونچے خاندانوں کے ذہین بچے بھی ان میں داخلہ لینے پر فخر محسوس کریں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ان کا ایک مستقل ہاسٹل ہو۔ جس میں ان کے لئے عمدہ خوراک اور عمدہ لباس کا بندوبست کیا جائے۔

مولانا سندھیؒ نے امروٹ شریف کی دینی درس گاہ کو اس طرز پر چلانا چاہا۔ لیکن اس عظیم کام کے لئے جن ذرائع اور وسائل کی ضرورت تھی، وہ وہاں بالکل ناپید تھے اور انہیں نہ مولانا سندھیؒ مہیا کر سکتے تھے نہ حضرت

مولانا تاج محمود امروٹیؒ اس کے علاوہ یہ دینی درسگاہ امروٹ شریف کی خانقاہ کے احاطہ میں قائم تھی جہاں حضرت مولانا امروٹیؒ اپنے متوسلین کو روحانی فیوضات سے مستفید کرتے تھے۔ ان متوسلین کو تصوف کے مشہور طریقہ پر فقر فاقہ، صبر اور قناعت کی تلقین کی جاتی تھی۔ اب یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ایک ہی جگہ طریقت کے طالب تو سادگی اور فقر فاقہ سے زندگی بسر کریں اور اسی وقت ان کے سامنے شریعت ظاہریہ کے تلامذہ ٹھاٹ سے رہیں یہی وجہ تھی کہ حضرت مولانا امروٹیؒ اس سلسلہ میں نہ صرف مولانا سندھی کی معاونت نہ کر سکے بلکہ ان کے اس خیال کی تائید پر بھی آمادہ نہ ہوئے نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا سندھی مستقل طور پر ایک ذہنی کش مکش میں مبتلا ہو گئے۔

انہی دنوں میں پیر جھنڈہ کے دینی مدرسہ دارالرشاد کو ایک بہت بڑے دارالعلوم کی شکل دینے کے لئے ایک وسیع و عریض جدید طرز کی شاندار عمارت بنائی گئی، صاحب العَلَم حضرت رشداللہ صاحب بذات خود اس میں دلچسپی لے رہے تھے۔ ویسے بھی علمی لحاظ سے یہ مدرسہ سندھ میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں کا کتب خانہ ہندو پاکستان میں حیدرآباد دکن کے کتب خانہ کے بعد دوسرے درجہ پر تھا حضرت رشداللہ صاحب کو کسی ایسے جید عالم کی تلاش تھی جو قدیم اور جدید علوم کا مجمع ہونے کے علاوہ کام کی تڑپ اور جذبہ بھی رکھتا ہو حضرت مولانا سندھیؒ کی جدوجہد اور مساعی ان سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ مولانا سندھی کو امروٹ میں اپنے کام کے سلسلے میں جو بے چینی اور بے اطمینانی تھی اس کا بھی ان کو علم تھا۔ آپ نے مولانا کو پیر جھنڈہ آکر کام کرنے کی دعوت دی، جو مولانا نے فوراً قبول کر لی۔ اور اس طرح امروٹ شریف کو الوداع کر کے پیر جھنڈہ چلے آئے۔

اس طرح مولانا سندھی کی سات سال سے جاری تمام اسکیمیں بند ہو گئیں اور آپ نے اب پیر جھنڈہ میں نئی علمی زندگی کا آغاز کیا۔

حضرت مولانا سندھی کے امروٹ چھوڑنے پر حضرت مولانا امروٹیؒ کو بہت رنج اور ملال ہوا۔ آپ نے ان کو روکنے کی بہت کوشش کی، لیکن مولانا سندھیؒ اپنے عزم سے باز نہ آئے۔ بالآخر مولانا امروٹی نے بادل ناخواستہ ان کو الوداع کہا۔ پیر جھنڈہ کے دوران قیام میں بھی حضرت مولانا سندھیؒ اور حضرت مولانا امروٹیؒ کے درمیان سیاسی اور علمی روابط بدستور قائم رہے۔

مولانا سندھی کے ہجرت کابل کے اکثر انتظامات بھی مولانا امروٹی نے کرلئے تھے۔ کابل پہنچکر بھی آپ نے حضرت مولانا امروٹیؒ کے ساتھ اپنا ربط قائم رکھا، چنانچہ حضرت مولانا امروٹی کی پہلی نظر بندی ان ریشمی رومالوں کی وجہ سے ہوئی تھی، جو مولانا سندھی نے آپ کو کابل سے روانہ کئے تھے۔ نیز اس سات سالہ کارکردگی کا یہ اثر ہوا کہ حضرت مولانا سیدنا تاج محمود صاحب امروٹیؒ جو بعد میں سندھ کی ایک عظیم روحانی اور سیاسی شخصیت بن چکے تھے، وطن عزیز کی آزادی کی جدوجہد میں نہایت سرگرمی سے حصہ لینے لگے اور ایک وقت آیا کہ امروٹ پورے سندھ میں سیاسی مرکزیت حاصل کر گیا۔ خصوصاً خلافت تحریک کے سلسلہ میں حضرت مولانا امروٹیؒ کی خدمات زرین حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔

میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ میں جس حکمت ولی اللہی کی دعوت دیتا ہوں، وہ شاہ ولی اللہ صاحب کی کتابوں میں مرتب اور مدون شکل میں موجود نہیں۔ دراصل اس زمانے میں اور ان حالات میں اس قسم کے فکر کی ترتیب اور تدوین کا کوئی امکان نہ تھا۔ مجھے اس کے ماننے میں بھی تامل نہیں کہ حضرت شاہ صاحب کی کتابوں میں بعض باتیں ایسی ہیں، جو ان کے زمانے سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ آج بھرتی معلوم ہوتی ہیں۔ آپ اکثر دیکھیں گے کہ شاہ صاحب صفحے کے صفحے لکھ گئے ہیں، اور ان میں آپ کو ایک دو باتیں کام کی مل جاتی ہیں۔ میرا کام یہ ہے کہ میں طالب علموں کو ادھر متوجہ کروں تاکہ وہ ان کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کریں۔

میں مانتا ہوں کہ آج کل کے ذہین نوجوانوں میں جو شکوک پیدا ہوتے ہیں، میں سب کا جواب نہیں دے سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ نوجوان شک سے بیزار ہوں گے، اور انہیں زندگی میں کسی مثبت فکر کی ضرورت محسوس ہوگی۔ میرے نزدیک شاہ ولی اللہ صاحب اسلام کی جو تعبیر کرتے ہیں، وہ ہمارے نوجوانوں کے لئے اطمینان اور تسلی کا باعث ہو سکتی ہے۔

(ارشادات مولانا سندھیؒ)